© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہے ہماری بزم علم و عمل اور شبستان فضل و کمال کی ایک اور شمع گل ہو گئی، یعنی مولانا عبدالحق صاحب مدنی نے کم و بیش ۷۲ بہتر سال کی عمر میں ۲۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو بمقام دیوبند وفات پائی۔ مولانا مرحوم کا آبائی وطن دیوبند ہی تھا۔ لیکن آپ کے والد ماجد جو اپنے زمانہ کے نامور ڈاکٹر تھے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں جا بسے اور دولتِ عثمانیہ میں کسی اچھے عہدہ پر متمکن ہو گئے تھے مولانا کی پیدائش وہیں ہوئی، اسی نسبت سے مدنی کہلاتے تھے۔ اگرچہ نسلاً ہندوستانی تھے لیکن سرزمینِ قدس میں پیدا ہونے اور وہیں تعلیم و تربیت پانے کی وجہ سے شکل و صورت، وضع قطع، اخلاق و عادات، طور طریق اور امیال و عواطف ان سب اعتبارات سے مرحوم خالصتہً اعلیٰ درجہ کے عرب تھے۔ اردو بھی صاف اور شستہ بولتے تھے لیکن عربی زبان پر جو قدرت تھی وہ اُردو پر نہ تھی۔ عربی صرف بولتے ہی نہ تھے بلکہ اس زبان کے بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے۔ ان کے اشعار میں بلا کی بے ساختگی اور طرفگی ہوتی تھی، اشعار فی البدیہہ کہنے کا بھی بڑا ملکہ تھا پھر جس درجہ کے سخن سنج تھے اُسی مرتبہ کے سخن فہم بھی تھے۔ تنقید کا ذوق نہایت بلند اور شُستہ تھا۔ حجاز کے موجودہ نامور شعراء میں ایک خاصی تعداد مولانا مرحوم کے شاگردوں کی ہے۔

لیکن جیسا کہ مولانا خود فرمایا کرتے تھے۔ شعر و ادب کے ساتھ ان کا اشتغال زیادہ تر عہدِ شباب میں ہی رہا جس میں بڑا دخل مدینہ طیبہ کی خاص ادبی صحبتوں اور مجلسوں کا بھی تھا۔ بعد میں قرآن و حدیث کا درس و تدریس اور ان میں انہماک و توغل آپ کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بن گیا۔ علی الخصوص قرآن مجید کے ساتھ تو عشق تھا۔ اس کے وہ حافظ بھی تھے اور قاری بھی! آواز میں بڑا درد اور حد درجہ سوز و گداز تھا۔ راقم الحروف کو یاد نہیں آتا کہ مولانا کی امامت میں کبھی جہری نماز پڑھی ہو اور آنکھیں پرنم اور دل پُرسوز نہ ہو گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عجیب لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ حجاز سے کراچی آ گئے تھے۔ چند سال وہاں رہے اور اس کے بعد مراد آباد کے پرانے مدرسہ شاہی میں چلے آئے۔ یہاں مولانا نے درس و تدریس کا کام بھی کیا اور اہتمام کا فرض بھی انجام دیا۔ گذشتہ چند برسوں سے کہنا چاہیئے مدرسہ صرف مولانا کے ہی ہمت وسعی اور اثر و رسوخ سے چل رہا تھا۔ مدرسہ سے تعلق کے علاوہ شہر میں قرآن مجید کا درس بھی بڑی پابندی سے دیتے تھے جس سے اہلِ شہر کو بڑا فیض تھا

اخلاق و عادات کے لحاظ سے مولانا جس بلند کردار کے انسان تھے شاید ان جیسے لوگ کم ہوں گے۔ حد درجہ خلیق و ملنسار۔ متواضع اور منکسر المزاج۔ چہرہ ہر وقت شگفتہ رہتا تھا۔ بے حد خود دار اور غیر متمدن بھی تھے۔ حق بات برملا کہتے تھے اور پوری قوت کے ساتھ کہتے تھے۔ اس معاملہ میں ان کو کسی کی خوشنودی اور ناخوشنودی کا مطلقاً خیال نہیں ہوتا تھا۔ غالباً مدینہ طیبہ کے ساتھ شرفِ انتساب کا ہی یہ اثر تھا کہ کسی کے ہاں دعوت کھا کر اتنے خوش نہیں ہوتے تھے جتنا کہ خود کسی کی دعوت کر کے ہوتے تھے۔ زندگی بہت صاف، ستھری اور اجلی رکھتے تھے اچھا کھاتے تھے اور اچھا پہنتے تھے۔ اُن کے ہاں کی دعوت دعوتِ شیراز نہیں بلکہ بڑی متکلف ہوتی تھی۔ اکثر عربی اور حجازی قسم کے حلوے اور کھانے وہ اپنے ہاتھ سے خود تیار کرتے تھے اور ان سے دوستوں کی تواضع کر کے بڑی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ظاہر و باطن بالکل یکساں تھا مصلحت کوشی ان کے لغتِ اخلاق میں ایک لفظِ بے معنی تھی ان کا خلوص اور محبت اور ان کا انقباض و تکدر صاف اور عیاں رہتا تھا جس سے جو معاملہ تھا بے لوث تھا۔ جس سے دوستی تھی قلبِ مومن کی طرح بے غل و غش تھی اور جس سے دشمنی تھی فطرتِ باغی کی مانند بے توریہ و ایہام تھی۔ لیکن ان کی دوستی اور دشمنی دونوں اللہ کے لئے ہوتی تھی۔ دین میں ادنیٰ درجہ کی مداہنت گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ اس باب میں ان کی سخت گیری بسا اوقات تند مزاجی و تنک خوئی کا روپ دھار لیتی تھی۔ لیکن نجی معاملات میں بڑے حلیم و بردبار اور فیاض و فراخ حوصلہ تھے۔ جن سے ان کو تکلیفیں پہنچیں ان کے لئے بھی ہمیشہ دعائے خیر ہی کی غرض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ان کی کس کس خوبی کو بیان اور ان کے اخلاق و مکارم کی کس کس ادا کا تذکرہ کیا جائے آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اور قلب نے ان کی صحبت میں بیٹھ کر جو کچھ محسوس کیا زبانِ قلم اس کی ترجمانی سے درماندہ ہے۔ اللہ اللہ یہ پرانے چراغ ایک ایک کر کے محفل سے اُٹھتے جاتے ہیں اور نئے چراغوں میں وہ روشنی نہیں۔ پھر کون جانے کہ کل اس انجمن پر کیا گزرے گی۔ اللہ بس باقی ہوس! اللہ تعالیٰ آں مرحوم کو جنت الفردوس میں صدیقین و شہدا کا مقامِ جلیل عطا فرمائے۔

جون اور جولائی کے برہان کے نظرات میں جس اہم اور ضروری امر کی طرف توجہ دلائی گئی تھی ہندوستان اور پاکستان کے متعدد اربابِ علم نے اپنے نجی خطوط میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور ایڈیٹر برہان کو اس طرف متوجہ کرنے پر مبارکباد دی ہے۔ ذیل میں صرف نمونہ کے طور پر مخدومی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ کے والا نامہ کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:-

"برہان کے تازہ شمارہ میں آپ کے اداریہ میں جس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس کو پڑھ کر دل پھڑک اُٹھا اور بے ساختہ آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلیں آج سے تقریباً پچیس سال پیشتر بجنسہٖ اسی ضرورت کو میں نے حیدرآباد میں اس وقت پیش کیا تھا جب کرنال کے وقف کا مقدمہ فیصل ہوا۔ اس وقف میں واقف نے جہاں دوسرے مدارس کے لئے رقم منقول رکھی تھی وہیں خود کرنال میں بھی ایک مقامی مدرسہ کے لئے کافی رقم مختص کی تھی۔ نواب صدر یار جنگ مرحوم اس وقت کے سکریٹری تھے۔ میں نے نواب صاحب کو مشورہ دیا کہ بجائے ایک اور مدرسہ کھولنے کے یہ کہیں زیادہ بہتر ہوگا کہ جو عربی مدارس موجود ہیں انھیں کے ہر سال چند نمایاں فارغ التحصیل طلبار کا انتخاب کیا جائے اور جتنی تنخواہ مدرسوں میں مُدرّسوں کو ملتی ہے اس سے زیادہ وظیفہ ان طلبار کو دیا جائے اور ان کے لئے ایک بڑے کتب خانہ کا بھی انتظام کیا جائے اور مشورہ دینے کے لئے چند ماہرِ فن اساتذہ کو معقول تنخواہوں پر طلب کیا جائے اور یہ کہ جدید علمی زبانوں میں سے انگریزی اور جرمن کی تعلیم کا بھی نظم کیا جائے روپیہ وقف کا کافی تھا شیروانی صاحب

© rasailojaraid.com